تفسیرِ اشاری کے اصول ومبادی کا تنقیدی جائزہ

A CRITICAL REVIEW OF THE FUNDAMENTALS AND PRINCIPLES OF TAFSIR ISHARI

عنایت اللہ* / ڈاکٹر حامد رضا**

Abstract:
This paper aims to explain the nature of tafsir Ishari and it various classification. Describing the historical development of this particular genre, it has been attempted to introduce the basic principles of tafsir Ishari mentioned in the significant tafsir literature. Many early tafasir of this kind are cited to establish the argument that the tafsir Ishari is not contradictory to the tafsir that is based on the Prophetic traditions. This paper is based on the authentic source of the subject and provides valuable information to a reader for better understanding of the subject.
Keywords: Tafsir Ishari, Tustari, Qushayri, Lataif al-Isharat, principles of tafsir

تصوف کو ہمیشہ مسلم تاریخ وروایت میں ایک نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے۔ یہ شعبہ نہ صرف یہ کہ علماء کے ہاں مقبول رہا ہے، بلکہ عوام کی توجہ کا مرکز بھی رہا ہے۔ تزکیہ واحسان اور معارف واسرار کا زاویہ ایک قلبی واردات ہی نہیں رہا بلکہ اس نے علمی حیثیت میں بھی اپنے اثرات مرتب کیے ہیں۔ اسی کا ایک شاخسانہ تفسیرِ قرآن بھی ہے کہ اس کی ظاہری تشریحات کے ساتھ ساتھ اہل تصوف نے اس کے باطنی حقائق واسرار سے بھی پردہ اٹھایا ہے، اس نوع کی تفسیر کو تفسیرِ اشاری کہتے ہیں۔ تفسیر اشاری کیا ہے، اس کے مختلف مناہج کیا ہیں اور مسلم فکری روایت میں اسے کیا حیثیت حاصل رہی ہے، یہ امور اہل علم کی دلچسپی کا سامان رہے ہیں۔ زیر نظر مقالہ میں اس نوع کی تفسیر کے ان متعدد پہلوؤں پر غور کیا گیا ہے۔ مقالہ کو تمہید کے ساتھ چھ مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے جن کی تفصیل اس طرح ہے: تفسیر اشاری کا تعارف، معروف اشاری تفاسیر، تفسیر اشاری اور مسلم تاریخی روایت، تفسیر اشاری کی اقسام، تفسیر اشاری کے بارے علماء کا نقطہ نظر، تفسیر اشاری کے مناہج، تفسیر اشاری کی قبولیت کی شرائط اور آخر میں نتائج ذکر کیے جائیں گے۔

---

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ وعربی، جی سی یونی ورسٹی فیصل آباد

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ وعربی، جی سی یونی ورسٹی فیصل آباد

تفسیر اشاری قرآن کی ایسی تفسیر ہے جو اس کے ظاہر سے مختلف ہوتی ہے، اس کی بنیاد وہ اشارات ہوتے ہیں جو بعض اہل علم پر وارد ہوتے ہیں، یا ان عارفین پر جو سلوک اور مجاہدہ نفس کی راہ پہ گامزن ہوتے ہیں، ان کی بصیرت کو نورِ الٰہی کی روشنی حاصل ہوتی ہے جس سے وہ قرآن کے اسرار تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ یا پھر الہام اور کشف کے ذریعے ان پر دقیق معانی کھلتے ہیں۔ اس میں یہ امکان موجود ہوتا ہے کہ اشاری کے ساتھ اس کے ظاہری مفاہیم بھی موجود ہوں۔

شیخ صبحی صالح اپنی کتاب علوم القرآن میں تفسیر اشاری صحیح اور غلط کے مابین فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''بعض صوفیاء کرام کی تفاسیر میں ایسے شطحات ہیں جو نسقِ قرآنی سے مطابقت نہیں رکھتے اور ان کے اندر کئی طرح کے نقائص پائے جاتے ہیں۔ ان کی تشریحات میں ابہام بھی ہوتا ہے جو قرآنی معانی کو واضح نہیں کرتا۔ جبکہ اس کے برعکس درست تفسیر اشاری کا منہج کبھی بھی غامض، مبہم اور ظاہری تفسیر کے مخالف نہیں ہوتا۔''[1]

ایک صوفی جب قرآن کریم کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر براہ راست ایسے نکات و معارف کا القاء ہوتا ہے جس کی اس آیت کے ظاہری معنی و مفہوم سے بظاہر مطابقت معلوم نہیں ہوتی لیکن ان میں جمع و تطبیق ممکن ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے تفسیر قرآن کے سلسلے میں جہاں اہل علم کے کئی مناہج موجود ہیں وہاں ایک منہج صوفیانہ تفسیر کا بھی ہے جس میں ایک صوفی کلام الٰہی کی ظاہری تفسیر جس پر شریعت اسلامیہ کی بنیاد ہے، کو مرکز و محور بناتے ہوئے ایسے علوم و معارف کو بیان کرتا ہے جو مطالعہ قرآن کے دوران اس کے قلب پر منکشف ہوتے ہیں اور اس کے وجدانی استنباطات کا ثمر ہیں۔[2] الفاظ قرآنیہ پر غور و فکر کے دوران صوفیاء کا قلب جب ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف عبور کرتا ہے تو اس وقت یہ لطائف و نکات ان کے قلب پر وارد ہوتے ہیں۔ ہر شخص کا مزاج اس میں جداگانہ ہے مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ علوم و معارف وہ قبول ہوں گے جن کو شریعت رد نہ کرے۔

ابو سلیمان دارانی کا قول ہے کہ جب کبھی گروہ صوفیاء کے نکات میں سے کوئی نکتہ میرے قلب پر وارد ہوتا ہے تو میں اسے کتاب و سنت کے دو عادل گواہوں کے بغیر قبول نہیں کرتا، اور وہ دو عادل قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ ہیں۔[3] صوفیاء کریم کے ان رموز و اشارات کی وضاحت مندرجہ ذیل مثال سے ہوتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: اذھب الی فرعون انہ طغی۔[4] اس میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی سرکشی پر اس کے ہاں جانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ حضرات صوفیاء نے اس کی تفسیر میں لکھا کہ اے روح نفس کی طرف جا اور اس سے جہاد کر کہ وہ حد سے تجاوز کر رہا ہے۔[5] اس آیت میں قرآن کریم کا حقیقی مدلول تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ

ہی ہے جس کا اعتراف صوفیاء بھی کرتے ہیں لیکن محض نظیر اور تشبیہ کے طور پر انہوں نے بیان فرمادیا کہ اس آیت سے یہ مفہوم بھی پتہ چلتا ہے کہ انسان کی ذات کے اندر بھی موسی اور فرعون جیسے دو کردار ہوتے ہیں جنہیں روح اور نفس کے نام تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی ایک داعی الی الخیر اور دوسرا داعی الی الشر۔ پس ضروری ہے کہ داعی الی الخیر یعنی روح کو داعی الی الشر یعنی نفس کے اوپر غالب کیا جائے کہ وہ حد سے نکلا جارہا ہے اور احکام الٰہی کی بجاآوری میں کوتاہی کر رہا ہے۔[6] اس طرح کی مثالیں قرآن کی تفسیر میں پائی جاتی ہیں جنہیں تفسیر اشاری کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس نوع کی تفسیر کے لیے تفسیر صوفیہ، تفسیر فیضی اور علم الاعتبار کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

صوفیا کی تعبیرات قرآن کی تفسیر و توضیح ہر گز نہیں بلکہ وہ تو محض سالکین کے لئے ایک طرح کا اشارہ ہے جسے الہام بھی کہا جا سکتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے یہ افاضات کتاب الٰہی کے ماتحت رہتے ہیں اس سے ٹکراتے یا اس کے برعکس نہیں ہوتے۔ ان کا ماننا لازم نہیں لیکن ان کا رد کرنا بھی ضروری نہیں جس کا دل چاہے تسلیم کرے جو نہ مانے اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔[7]

تفسیر اشاری اور مسلم تاریخی روایت

عربی زبان میں مشہور تفاسیر اشاری میں کئی نام آتے ہیں جن میں سے تفسیر ابن عربی، تفسیر تستری، تفسیر نیشاپوری اور تفسیر آلوسی شامل ہیں۔ ان کے علاوہ لطائف الاشارات، حقائق التفسیر، روح البیان اور البحر المدید کے نام بھی معروف ہیں۔ برصغیر میں بھی صوفیاء کرام اور اولیاء کرام کا سلسلہ تبلیغ دین تقریباً ایک ہزار سال تک جاری رہا جس کے نتیجے میں یہ خطہ نور اسلام کی تابانیوں سے منور ہو گیا۔ ان صوفیاء کریم کی خانقاہیں، مساجد اور مدارس تعلیم و تربیت کے نہایت اہم مرکز تھے۔ کئی بار ایسا ہوتا کہ حاکمان وقت اور رؤساء ان مراکز میں بڑے ادب سے تشریف لاتے اور مشائخ کرام انہیں پند و نصائح سے نوازتے۔ ان صوفیاء کریم میں سے اکثر اہل لوح و قلم تھے۔ انہوں نے اپنے مریدین کی تعلیم و تربیت کے لیے انتہائی اعلی درجے کی کتب تصنیف کیں۔

برصغیر کے متقدم صوفی مفسرین میں شیخ محمد بن احمد شریحی (م684ھ) شیخ محمد بن یوسف حسینی (م825ھ)، شیخ علی بن احمد مہائمی (م825ھ)، قاضی شہاب الدین دولت آبادی (م884ھ)، شیخ محمد حسن گجراتی (م982ھ)، شیخ یعقوب صرفی کشمیری (م1003ھ)، شیخ منور بن عبدالحمید لاہوری (م1011ھ)، شیخ غلام نقشبند گھوسوی (م1126ھ)، ملاجیون امیٹھوی (م1130ھ)، شیخ علی اصغر قنوجی (م1140ھ)، شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی (م1141ھ) قاضی ثناءاللہ پانی پتی (م1225ھ) اور شیخ نظام الدین تھانیسری، وغیرہ جیسے نام اہم اور مشہور ہیں۔ برصغیر میں مختلف علوم و فنون کی طرح فن تفسیر کا آغاز بھی قدماء کی تفاسیر پر شروح و حواشی سے ہوا اور یہ بات اہم و قابل غور ہے کہ ہندوستان میں فن تفسیر کی ابتداء تصوف کے زیر اثر ہوئی، چنانچہ یہاں سب سے پہلے لکھی گئی تفسیری تصانیف خالص اسی مقصد کے تحت لکھی گئیں۔

مسلم تاریخ وروایت کے تناظر میں جیسے جیسے رسول اللہ ﷺ کے عہد سے دوری ہوتی گئی اور وہ صالح معاشرہ جس کی تربیت خود نبی کریم ﷺ نے کی تھی، اس میں فتوحات کے ساتھ وسعت آنا شروع ہوئی تو دوسرے علوم وفنون کی ترتیب وتدوین کے پہلو بہ پہلو تزکیہ وتصوف کے حاملین نے بھی اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے احسان وتزکیہ کے حصول کے وسائل وذرائع کو ایک نظام کی شکل دے دی۔

شیخ بیسونی رقمطراز ہیں کہ تصوف دین کا اہم شعبہ ہے۔ اس کی ٹھوس علمی بنیادیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔ اس کی غایت ومقصد تعلق مع اللہ اور رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ قرآن کریم میں اس جہت کو تقویٰ، تزکیہ اور خشیۃ اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جبکہ حدیث وسنت میں اسے احسان کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ تزکیہ واحسان کے ثمرہ کے طور پہ جب ایک مؤمن کا قلب رذائل سے پاک ہو کر فضائل سے مزین ہو جاتا ہے تو اس قلب سلیم کو اپنے معبود کے ساتھ نسبت اور وصول کی دولت نصیب ہوتی ہے اور اس قلب سلیم پر علوم معارف کا القاء کیا جاتا ہے۔ اس حلقے کے علماء جب قرآن میں غور کرتے ہیں تو انہیں کچھ ایسے معارف واسرار حاصل ہوتے ہیں جو دیگر علماء کو نہیں ہوتے۔ یہ حلقہ تاریخ میں ہمیشہ موجود رہا ہے۔[(8)]

آیات قرآنیہ کی تفسیر اشاری صرف صوفیاء کرام نے ہی نہیں، بلکہ صحابہ کرامؓ کے ہاں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے جب 'اذا جاء نصر اللہ' کے معانی ومفاہیم کے بارے میں حضرات صحابہ کرام سے دریافت کیا تو کچھ صحابہؓ نے فرمایا کہ اس میں حمد واستغفار کا حکم دیا جا رہا ہے جبکہ بعض نے اس پر سکوت اختیار کیا، البتہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس میں نبی کریم ﷺ کے وصال کے بارے میں اطلاع دی جا رہی ہے۔ صحیح بخاری[(9)] میں حضرت ابن عباس سے منقول یہ روایت درج ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ بدری صحابہ کی موجودگی میں انہیں شرف باریابی بخشا کرتے تھے بعض صحابہ نے حضرت عمرؓ سے ناراض ہو کر کہا: ہمارے بھی بیٹے ہیں اور ہم ان کو آپ کی مجلس میں نہیں لاتے پھر ابن عباس کے آنے کی کیا وجہ ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: عنقریب آپ کو پتہ چل جائے گا چنانچہ حضرت عمر نے ایک روز دیگر صحابہ کی موجودگی میں ابن عباس کو بھی ملاقات کا شرف بخشا صحابہ کو مخاطب کر کے پوچھا: سورہ نصر کی آیت میں حمد واستغفار کا حکم دیا گیا ہے چند حضرات نے کچھ بتایا اور بعض صحابہ خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا پھر ابن عباس سے اس آیت کے معنی دریافت کئے انہوں نے کہا کہ میں دیگر صحابہ کے بیان سے متفق نہیں ہوں اس آیت میں آپ ﷺ کو طبعی عمر کی خبر دی گئی ہے اس لیے آپ کو پہلے سے بھی زیادہ استغفار کرنا چاہیے۔ حضرت عمر نے فرمایا میرا بھی یہی خیال ہے۔

اسی طرح الیوم اکملت لکم دینکم ۔۔۔ الخ سے حضرت عمرؓ نے بھی وصال نبوی ﷺ کے معنی ہی اخذ کیے تھے۔[(10)] اس سے اس امر کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ اور باطنی معانی سے دانش وبصیرت کی خصوصی اور خداداد صلاحیت رکھنے والے ہی آگاہ ہو سکتے ہیں۔ قرآن

کریم کے عجائب نہ ختم ہونے والے ہیں۔ حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ اگر میں چاہوں تو قرآن کی تفسیر سے ستر کو اونٹوں کو بھر دوں۔اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ قرآن کے باطنی مفاہیم میں بہت وسعت پائی جاتی ہے۔

تفسیر اشاری کی اقسام

مفسرین کرام کی فکری وروحانی حالت کے اعتبار سے تفسیر اشاری کی دو اقسام کی جاتی ہیں:[(11)]

- **تفسیر اشاری نظری:** وہ تفسیر کہ جس میں صوفی مفسر کا ایک خاص مرتب نقطہ نظر بیان کیا جاتا ہے۔اس میں تفسیر کرنے والی شخصیت کا علمی و فکری لحاظ سے زندگی، موت، آخرت اور تعلق الٰہی کے تناظر میں میں ایک مخصوص نقطہ نظر ہوتا ہے۔ وہ اپنی تفسیر میں بھی آیات کی تشریح اپنے اسی نظریے کے مطابق کرتا ہے۔اس نوع کی تفسیر کو تفسیر اشاری نظری کا دیا جاتا ہے۔اس کی مثال میں ابن عربی کی تفسیر کو پیش کیا جاتا ہے۔انہوں نے اپنی تفسیر کو اصولِ عرفان نظری کے ضمن میں تصنیف کیا، بالخصوص وحدۃ الوجود کے تناظر میں۔
- **تفسیر اشاری شہودی:** اس تفسیر میں صوفیاء مفسرین کا کوئی ایک مرتب نقطہ نظر نہیں پیش کیا جاتا بلکہ اس میں اشارات ہوتے ہوتے ہیں جن کی حیثیت نظریے کی نہیں ہوتی ہے۔اہل تصوف ایک خاص حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں جس میں ان پر وقت کے اعتبار سے کئی حالتیں طاری ہوتی ہیں اور یہ سب مختلف ہوسکتی ہیں۔ اس دوران جب مفسر قرآن کریم پڑھتا ہے یا اس میں غور وفکر کرتا ہے تو پڑھتے ہوئے اس کے دل پر کوئی خاص رقت یا حال طاری ہوتا ہے، اور اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس آیت کا یہ مفہوم ہو سکتا ہے۔ بالخصوص مراقبے کی حالت میں اس طرح کی صورتیں قلب پر وارد ہوتی ہیں۔اس نوع کی تفسیر کو تفسیر شہودی یا تفسیر فیضی کہا جاتا ہے۔ایسی تمام تفاسیر جس میں کوئی نظریہ پیش نہیں کیا جاتا وہ سب اسی ذیل میں آتی ہیں جنہیں کشف والہام کے نام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

چونکہ تفسیر اشاری میں صوفیاء کرام کشف والہام کے ضمن میں تفسیر کرتے ہیں اس لیے ظاہری تفسیر کے حوالے سے ان کے برتاؤ میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ وجدانی تشریح کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات کے ظاہری معانی کے بارے میں کیا رویہ اپناتے ہیں۔اس حوالے اگر تفاسیر کی تقسیم کی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کی تین اقسام ہیں:[(12)]

- پہلی قسم کی تفاسیر وہ ہیں جن میں مفسر ظاہری تفسیر پر یقین تو رکھتا ہو لیکن اس کے بعد وہ اسے بیان نہیں کرتا، بلکہ صرف روحانی و وجدانی کیفیت کی تفسیر کو تصنیف کرتا ہے۔ابن عربی کی تفسیر اسی نوع کی ہے۔ وہ اس کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ مجھے یہ خیال آیا کہ میں وہ افکار زیر قلم لاتا جاؤں جو مختلف اوقات میں مجھے محسوس ہوتے ہیں، یہ افکار باطنی حقائق ہوتے ہیں، قلب پر ایک نور کی طرح نازل ہوتے ہیں۔اس میں ظاہری معانی کو نہیں لکھا گیا جن کی مخصوص حدود ہیں۔کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ جس نے اپنی رائے سے تفسیر کی وہ کافر

ہو گیا، جبکہ روحانی تاویل کی حالت یہ ہے کہ وہ نہ باقی رہتی ہے اور نہ ضائع ہوتی ہے۔ یہ مفسر کے احوال اور اس کے اوقات کے اعتبار سے مختلف ہوتی رہتی ہے۔ اس نوع کی تاویل میں سامع کے سلوک اور روحانی درجات کا اثر نمایاں ہوتا ہے، جوں جوں وہ مقامات طے کرتا جاتا ہے اسی طرح اس پر مفاہیم کے نئے در وا ہوتے جاتے ہیں اور وہ ایسے اسرار پر مطلع ہوتا ہے جو ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتے۔(13)

- دوسری قسم وہ ہے کہ جس میں مفسر پہلے آیات کے ظاہری معانی ذکر کرتا ہے اور اس کے بعد ان کے باطنی مفاہیم کو زیر قلم لاتا ہے جو اسے کشف والہام سے وارد ہوتے ہیں۔ اس کی مثال میں علامہ تستری کی تفسیر کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ وہ مقدمے میں لکھتے ہیں کہ اس تفسیر میں میں نے آیات کے ظاہری معانی کو بھی ذکر کیا ہے، ظاہری مفسرین کے کلام کا خلاصہ پیش کیا ہے، اس کے بعد ان مفاہیم کو پیش کیا ہے جو حالات و مقامات کے اعتبار سے وارد ہوئے ہیں۔ تفسیر میں ان فوائد کو بھی ذکر کیا گیا ہے جنہیں عام لوگ پڑھتے ہیں۔[14] مزید کہتے ہیں کہ ہر باب میں اشاری تفسیر سے قبل ان معانی کو ذکر کیا گیا ہے جو ظاہری ہیں جن پر کوئی شک وشبہ نہیں کیا جاسکتا، اہل علم ودانش انہیں پسند کرتے ہیں۔ وہ سب مضامین جو دیگر مفسرین نے اپنی کتب میں بیان کیے ہیں ان کا خلاصہ یہاں لکھا ہے۔(15)
- اس نوع کی تیسری قسم وہ ہے کہ جس میں مفسر ظاہری معانی اور روحانی مفاہیم کو ایک ساتھ اس طور ذکر کرتا ہے کہ ان کے مابین کوئی فرق نہیں کرتا اور یہ وضاحت نہیں کرتا ان میں سے اشاری تفسیر کونسی ہے اور آیات کا ظاہری معنی کونسا ہے۔ اس ضمن میں شیخ اسماعیل حقی کی تفسیر روح البیان کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ اور اسی طرح سلطان محمد جنابذی کی تفسیر بیان السعادہ فی مقامات العبادہ بھی اسی قسم میں شمار ہوتی ہے۔ شیخ جنابذی مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کی تفسیر کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے معانی و مفاہیم س۔ پردہ اٹھایا جائے، اس کی اغراض کو واضح کیا جائے، اس کے اشارات کی طرف توجہ مبذول کی جائے، تفسیر کرنے والے کے کشف والہام کی حالتوں کی جانب اشارہ کیا جائے، اس کے حقائق پر تنبیہ کی جائے، اس کے نزول کے اسباب کو بیان کیا جائے، اور آیات کی تاویل کی وضاحت کی جائے۔ پس وہ شخص جو قرآنی اشارات کا علم نہیں رکھتا اور ان کے لطائف کو نہیں جانتا اس کی تفسیر ناقص ہو گی، بلکہ وہ محض تفسیر بالرای ہے جو کہ غلط ہے۔ یہی حالت قرآنی تاویلات کے متعلق بھی ہے۔

تفسیر اشاری کے بارے علماء کا نقطہ نظر

علمائے کرام کی تفسیر اشاری کے بارے میں متنوع آرا موجود ہیں۔ اُن میں سے بعض ایسی تفسیر کو نہ صرف جائز سمجھتے ہیں بلکہ اِس کو عمدہ ترین تعبیر قرار دیتے ہیں جبکہ ایک طبقۂ فکر کے ہاں ایسی تعبیرات درست نہیں ہیں اور یہ اللہ کے دین سے انحراف کا باعث بنتی ہیں۔ اگرچہ وہ اس امر کے قائل ہیں کہ قرآن مجید کے نہ ختم ہونے

والے اسرار و عجائب اِس بات کے متقاضی ہیں کہ قرآنی عبارت کے اندر ایسی صلاحیت موجود ہے جو اسے اِس قابل بناتی ہے کہ ہر دور کے علماء اپنی فکر کے مطابق اس کی تفہیم کریں اور درپیش مسئلے میں اِس سے رہنمائی حاصل کریں۔تاہم اختصار کے ساتھ یہ بیان کر دینا فائدے سے خالی نہ ہو گا کہ تفسیر صوفی نظری کی بنیاد مقدمات علمیہ پر ہوتی ہے جو نظری اور فلسفیانہ نوعیت کے ہوتے ہیں۔ڈاکٹر محمد حسین ذہبیؒ کے نزدیک اس طرز کی کوئی تفسیر ایسی نہیں ملتی جو پورے قرآن کے مطالعے پر مشتمل ہو تاہم شیخ ابن عربیؒ کی تفسیر اور ان کی کتب ''فتوحات مکیہ'' اور ''فصوص الحکم'' میں کئی ایک آیات کی تفسیر اس رجحان کے تحت کی گئی ہے۔

ڈاکٹر ابوالعلاء العفیفی صوفیانہ تفسیری ادب بارے بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صوفیاء کرام کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ ایسا طبقہ ہیں جو عام لوگوں کی زبان میں کلام نہیں کرتا اور ان کی طرح کسی بھی نص کے ظاہری مفاہیم تک محدود نہیں رہتا۔بلکہ وہ رمز اور اشارے کو زبان میں بات کرتے ہیں۔ان کا یہ طرز تخاطب اس لیے ہوتا ہے کہ وہ یا تو نہیں چاہتے کہ سب لوگ ان کی رمزیات اور اسرار کو جانیں یا پھر اس کا سبب یہ ہے وہ اپنے کشف اور سلوک کی راہوں میں جن معانی کو پاتے ہیں ان کا اظہار عام لوگوں کی زبان میں نہیں کیا جا سکتا۔وہ جو کچھ آنحضرت ﷺ کی وراثت سے اور آپ ﷺ سے محبت کے تعلق میں حاصل کرتے ہیں اسے نہ تو یوں ہی سمجھا جا سکتا ہے اور نہ کوئی لغت اس کی متحمل ہوتی ہے۔[16]

تفسیر اشاری کے مناہج

تصوف دین کا اہم شعبہ ہے جس کی ٹھوس علمی بنیادیں قرآن و سنت میں موجود ہیں۔تفسیر قرآن کے سلسلے میں جہاں اہل علم کے کئی مناہج موجود ہیں وہاں ایک منہج صوفیانہ تفسیر کا بھی ہے، جس میں ایک صوفی کلام ربانی کی ظاہری تشریح کو بنیاد بناتے ہوئے ایسے علوم و معارف بیان کرتا ہے جو مطالعہ قرآن کے دوران اس کے قلب پر منکشف ہوتے ہیں۔یہ معارف ان کے وجدانی استنباطات کا ثمر ہیں۔صوفیاء کی تفاسیر جہاں تاریخی اہمیت کی حامل ہیں اور علم تفسیر میں خاص پہلو کی نشاندہی کرتی ہیں وہاں یہ تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کا بھی ذریعہ ہیں۔ صوفیاء کا تفسیری کام تمام شعبہ حیاتِ علمیہ و عملیہ کو اپنے اندر محیط کیے ہوئے ہوتا ہے۔

ان تفاسیر میں عربی اصول و قواعد کا خاص خیال رکھا جاتا ہے اور اسلوب عمدہ دلنشین ہے۔ان کی زبان سلیس و سہل ہے تاکہ قرآن کریم کو ایک عام قاری بھی آسانی کے ساتھ سمجھ سکے اور اس کے مفاہیم دل و دماغ میں راہ پا سکیں۔اکثر مفسرین نے سورت کا زمانہ نزول، تعدادِ آیات تعداد الفاظ و حروف اور سورتوں کے مضامین بیان کیے ہیں۔کلامی استدلال اور منطقی دلائل میں غلو نہیں کیا گیا، مسائل فقہ کا استنباط بھی موجود ہے تاہم فقہی احکامات کا بہت کم ذکر کیا گیا ہے۔احادیث و آثار سے استفادہ کا رجحان موجود ہے تاہم ضعیف آثار نقل کرنے سے گریز نہیں کیا گیا۔علومِ قرآن کی طرف زیادہ توجہ مبذول نہیں کی گئی۔[17] تزکیہ، اخلاق و تصوف اور احسان و سلوک کے مسائل

ان تفاسیر کا نمایاں ترین وصف ہیں۔ یہ تفاسیر مکتب تصوف کی ترجمانی اور تشریح کے نقطہ نظر سے لکھی گئی ہیں۔ البتہ چند تفاسیر ایسی بھی ہیں جو باطنی افکار سے بھی آلودہ ہو گئی ہیں۔

تفسیر اشاری کی بنیاد اس فکر پر قائم ہوتی ہے کہ قرآن کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن، ظاہر سے مراد شریعت اور باطن سے مقصود حقائق و معارف ہوتے ہیں۔ گویا قرآن میں دو طرح کے علوم پائے جاتے ہیں ایک علم الحقیقہ اور دوسرا علم الاحوال، ایک علم الشریعہ اور دوسرا علم الہدایہ، ایک وہ علم جسے فقہاء اور شرعی مسائل کے ماہرین جانتے ہیں تو دوسرا وہ علم ہوتا ہے جسے صوفیاء اور تزکیہ و احسان سے متعلق علماء جانتے ہیں۔

عبدالکریم بن ہوازن القشیری اپنی تفسیر کے منہج کے بارے میں لکھتے ہوئے وضاحت کرتے ہیں:(18)

میں نے تفاسیر لکھنے والے اہل علم کو دیکھا کہ وہ قرآن کریم کی آیات کی تشریح میں متعدد حوالوں سے بات کرتے ہیں اور ان کے فوائد پر کلام کرتے ہیں۔ وہ قرآنی آیات کے اعراب، لغت، ناسخ منسوخ، فقہی احکامات، اسباب نزول وغیرہ، تمام زاویوں سے روشنی ڈالتے ہیں۔ لیکن آیات میں پائے جانے والے روحانی اسرار و معارف پر بہت کم بات کی گئی ہے، سوائے چند آیات کے۔ لہذا اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے میں یہ ارادہ کیا کہ عام لوگوں کو قرآن کے باطنی حقائق اور معارف سے بھی روشناس کرایا جائے۔ اس لیے اپنی طاقت و علم کے مطابق میں اس ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔

اسی طرح امام تستری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں کوئی بھی آیت نہیں مگر اس کے چار قسم کے معانی ہوتے ہیں: ظاہر، باطن، حد اور مطلع۔ قرآن کا ظاہر اس کی تلاوت ہے، باطن اس کا فہم ہے، حد سے مراد حلال و حرام کے احکامات ہیں، جبکہ مطلع سے مراد وہ اسرار و معارف ہیں جو اللہ تعالی کی طرف سے بعض لوگوں پر وارد ہوتے ہیں۔(19) گویا صوفیاء کے ہاں جو تفسیر کی جاتی ہے اس کے منہج کی چند اساسات ہیں جن کا خلاصہ اس طرح ہے:

- قرآن کریم میں ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن۔ قرآن کا ظاہر عوام کے لیے ہے، جبکہ باطن کا علم صرف خواص رکھتے ہیں۔ باطن کا علم ایک ایسی روشنی ہے جو فیض الہی سے حاصل ہوتی ہے اور قلوب کو منور کرتی ہے۔
- قرآن کا علم دیگر علوم سے اپنے منہج میں مختلف ہوتا ہے۔ اس کی تفہیم اور اس کے اسرار کو پانے کا منہج بالکل الگ ہے۔ صوفیاء کے ہاں چونکہ تفسیر کا مطلب آیات کا ظاہری معنی و مقتضی نہیں ہوتا اس لیے اس تک رسائی کے لیے صرف لغت، فقہ اور شریعت کے دیگر علوم تک رسائی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لیے مراقبہ، تزکیہ اور خشوع کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

- اگرچہ تفسیر اشاری کا منہج اپنی اساس میں ظاہری تفسیر سے قدرے الگ ہوتا ہے لیکن اس میں بلاغت، لغت اور استنباطی فنون کا جاننا ضروری ہوتا ہے۔اس کے بغیر معارف کا احساس نہیں کیا جاسکتا۔
- تفسیر اشاری میں مخصوص اصطلاحات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ اصطلاحات صرف قرآنی تفسیر کے ساتھ خاص نہیں ہیں بلکہ یہ اصل میں تصوف کے رموز ہیں جن سے نفس کی روحانی حالت کی وضاحت کی جاتی ہے۔انہی کے ضمن میں آیات کے معارف کو بھی بیان کیا جاتا ہے۔
- تفسیر اشاری میں چونکہ قلبی واردات اور کشف کی اہمیت ہوتی ہے اور یہ امور ایسے ہیں جن کے کوئی طے شدہ اصول نہیں ہیں، کیونکہ یہ امور ہر صوفی کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں، لہذا واردات کے تحت تفسیر بھی الگ ہوتی ہے۔اس بنیاد پر ضروری نہیں کہ تفسیر اشاری ظاہری معنی سے مطابقت بھی رکھتی ہو۔[20]
- تفسیر اشاری کے منہج کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں روایات وغیرہ کی جانچ پرکھ میں بہت زیادہ احتیاط نہیں کی جاتی، جس طرح کہ ظاہری تفسیر میں روایات کی جانچ پرکھ کا اصول سختی سے لاگو ہوتا ہے اور ضعیف روایات کو شامل نہیں کیا جاتا۔

فہم قرآن میں ہر کسی کا ذوق ایک جیسا نہیں ہو سکتا اور اسی بنا پر حضرات صوفیاء کے اشارات ہر کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ چنانچہ بعض حضرات نے تفسیر شاری کو فرق باطنیہ کی باطل تفسیرات سے خلط ملط کر کے ان پر طعن و تشنیع کی ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ باطنیہ نے قرآنی الفاظ کو کسی دلیل اور قرینے کے بغیر دوسرے معانی پر محمول کیا ہے۔ان کی دعوت کا سارا زور اس بات پر ہے کہ قرآن کریم کے کچھ ظاہری معانی ہیں جن کی حیثیت چھلکے اور پوست کی ہے۔ جہلاء صرف انہی ظاہری معانی کو جانتے ہیں جبکہ حقائق کو صرف عقلاء جانتے ہیں۔قرآن کے جو رموز واسرار ہیں ان کا علم صرف اہل اسرار کو ہے۔ یہ تحریف دین کا ایسا راستہ ہے کہ اگر اس کی اجازت دی جائے تو عقائد دینیہ اور احکام شرعیہ تبدیل ہو جائیں گے۔[21] اسی طرح وہ مبتدعین جو کلام الہی کے معانی بیان کرنے میں جمہور کے ہاں موجود مسلمہ اصول و قواعد کی پابندی نہیں کرتے ان کی تاویلات بھی گمراہی کا باعث بنتی ہیں۔ تاہم قرآن کریم کی تعبیر و تفہیم میں اس علم کی مسلمہ اہمیت کے باوجود صورت حال یہ ہے کہ موضوع اپنی اہمیت کے پیش نظر جس توجہ اور گیرائی کا متقاضی تھا وہ اسے نہ مل سکی۔

تفسیر اشاری کی قبولیت کی شرائط کے متعلق بات کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد ابراہیم بیسونی لکھتے ہیں کہ اس کی قبولیت کی پانچ شرائط ہیں: وہ تفسیر ایسی ہو جو قرآن کریم کے نظم اور اس کے ظاہری معنی سے متصادم نہ ہو۔ صوفی مفسر یہ دعوی نہ رکھتا ہو کہ اس کی تفسیر برحق ہے اور ظاہری ٹھیک نہیں۔ اشاری تفسیر میں کوئی ایسی تاویل نہ ہو جو دور کی کوڑی کی طرح ہو یا عجیب ہو۔ اشاری تفسیر شریعت یا عقل کے منافی نہ ہو۔ اس تفسیر کا کوئی شرعی شاہد بھی موجود ہو جو اس کی تائید کرتا ہو۔[22]

تفسیر اشاری کا منہج آیات کی تفہیم و تشریح دونوں کے اعتبار سے ظاہری تفسیر سے مختلف ہوتا ہے۔ اس میں مجموعی طور پہ مفسر کے قلبی اسرار و رموز کو اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ تمام اشاری تفاسیر کا منہج ایک جیسا نہیں ہے، جس طرح کہ ظاہری تفاسیر کے بنیادی اصول طے ہوتے ہیں۔ تفہیم و تشریح کے اعتبار سے بھی ظاہری تفسیر محدود شرعی و اخلاقی مسائل و احکام تک رہتی ہے جس کے باعث زیادہ تر ظاہری تفاسیر کے مفاہیم میں اشتراک ہوتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس باطنی یا اشاری تفاسیر میں صورتحال مختلف ہے۔ ظاہری تفاسیر عموماً سب کے لیے ہوتی ہیں۔ لیکن اشاری تفاسیر خواص کے لیے لکھی جاتی ہیں جنہیں ہر عام آدمی نہیں سمجھ سکتا۔

حوالہ جات و حواشی

1۔ صبحی الصالح، مباحث فی علوم القرآن، (بیروت دار العلم للملایین، 1977ء)295

2۔ محمد طہ زیدان، الطریق الصوفی، (بیروت، دالکتاب العربی، 2009ء)110

3۔ مناع خلیل قطان، مباحث فی علوم القرآن، (القاہرہ، المکتبہ العلمیہ، 1995ء)103

4۔ النازعات:17

5۔ مناع خلیل قطان، مباحث فی علوم القرآن، 106

6۔ مناع خلیل قطان، مباحث فی علوم القرآن، 116

7۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی، موقف الاسلام من الالہام والکشف، (دوحہ، مکتبہ القاء، 2010ء)55

8۔ عبد الحلیم محمود، قضیۃ التصوف، (اسکندریہ، دار رمال، 2015ء)66

9۔ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، حدیث نمبر:1245

10۔ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، حدیث نمبر:1248

11۔ محمد عبد الحلیم الزرقانی، مناھل العرفان فی علوم القرآن، (القاھرہ، دار احیاء التراث العربی، 2001ء)136

12۔ سابق، 138-39

13۔ محی الدین ابن عربی، تفسیر ابن عربی، (بیروت، دار الکتاب العربی، 1988ء)6/1

14۔ سھل التستری، تفسیر القرآن العظیم، (القاھرہ، المکتبہ العلمیہ، 2008ء)14/1

15۔ سابق 122/1

16۔ محی الدین ابن عربی، فصوص الحکم، مقدمہ ابو العلاء العفیفی، (القاھرہ، مکتبہ وھبہ، 2002ء)12

17۔ عبد الحلیم محمود، قضیۃ التصوف، 112

18۔ عبدالکریم ہوازن القشیری، التعبیر فی علم التذکیر، (القاهرہ، دار احیاء التراث العربی، 2002ء) 33/1
19۔ سھل التستری، تفسیر القرآن العظیم، 22/1
20۔ الزرقانی، مناھل العرفان، 110
21۔ سابق، 112-14
22۔ ڈاکٹر محمد ابراہیم بیسونی، قواعد العقائد، (بیروت، دار الکتاب العربی، 2014ء) 88